مریدفاطمہ
پی ایچ ڈی اسکالر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
ڈاکٹر عنبرین تبسم شاکر جان
ایسوسی ایٹ پروفیسر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اردو مرثیہ نگاری میں مزاحمت کا ارتقا

ABSTRACT

Evolution of Resistance in Urdu elegy.
By Mureed Fatima, Phd Scholar, NUML, Islamabad.
Dr. Ambareen Tabassum Shakir Jan, Associate Professor, Department of Urdu, NUML, Islamabad.

Evolution of Resistance in Urdu elegy. The biggest example of resistance in Urdu eulogy is the incident of Karbala, when the ruler of a country exploits the basics rights of the people, then the people resist to end this exploitative behavior. Elegy writers of Urdu language have said resistance elegies against dictatorship, class exploitation, lust for wealth, sectarianism, political debauchery, obsolete rituals of society and educational deprivation, the colour of resistance in the genre of Urdu literature elegy is seen with full energy in the elegies of all elegists and its evolutionary journey is ongoing. From patriarchal system to feudalism, from monarchy to capitalism and today's colonial colonialism, resistance continues in every era. Their obituaries not only lament the indifference of their society, but the suffering of the oppressed of the whole world can be seen in them.

Keyword: Alami adeb, Islam, Karbala, Zulm, Hussain, Yazid, Josh, Jang, Jabr, Pakistan,

عالمی ادب میں بالعموم اور اردو ادب میں بالخصوص مرثیہ گوئی طویل عرصہ سے جاری ہے اس صنف کا آغاز عرب سے شروع ہوا قدیم عرب میں مہلہل بن ربیعہ کے مرثیے مشہور ہیں اسلام کے ابتدائی دور میں مشرکین نے اپنے مقتولین اور مسلمان شعرا نے اپنے شہیدوں پر مرثیے کہے ہیں آپؐ کے وصال پر بھی مرثیے کہے گئے جن میں حسان بن ثابت کا مرثیہ زیادہ مشہور ہے۔عرب سے صنف مرثیہ فارسی زبان میں منتقل ہوئی اندلس میں عربوں کے اخراج پہ مرثیے لکھے گئے۔اردو ادب میں صنف سخن مرثیہ کا آغاز گولکنڈہ کے بادشاہ محمد قلی قطب شاہ کے ہاتھوں ہوا قطب شاہ نے اپنے مراثی کلام میں داستان کربلا کو

بیان کرتے ہوئے یزیدی ظلم وستم سے مزاحمت کی۔ انسانی معاشرے میں خیر وشر کا تصور روز اول سے چلا آ رہا ہے بعض اوقات خیر شر پر اور کبھی شر خیر پر غالب آ جاتا ہے لیکن جب شر خیر پہ غالب آنے کی سعی کرتا ہے تو اس کو روکنے کے لیے قول و فعل کا رویہ اپنایا جاتا ہے۔ اصطلاح میں شر کے خلاف اٹھنے والے اس رویے کو مزاحمت کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ ظلم وستم کو ایک حد تک برداشت کر سکتا ہے جب ظلم وستم حد سے بڑھ جائے تو مزاحمت جنم لیتی ہے جس کا مقصد معاشرے میں ہونے والے ظلم و استحصال کا خاتمہ، انصاف، مساوات، عام لوگوں کی خوشحالی اور حقوق کے لیے جدوجہد کرنا ہے۔ مزاحمت وہ عمل ہے جس میں کسی کام میں رکاوٹ ڈالنے کسی نا انصافی کو برداشت کرنے سے انکار کرنے اور ظلم کے خلاف سیسہ پلائی دیوار کی مانند ڈٹ جانا ہے اردو ادب کی صنف مرثیے میں مزاحمت کی سب سے بڑی مثال امام حسینؑ کی ذات گرامی ہے جنھیں حق پہ ہونے کہ وجہ سے یزید نے شہید کیا چودہ صدیاں قبل رونما ہونے والے اس واقعے نے پوری نسل انسانی کو اپنی گرفت میں لیا ہر قوم اور ہر نسل کے انسان نے اس دکھ کو سمجھا کربلا ظلم کے خلاف مزاحمت کا ایک بے مثال استعارہ بن کے سامنے آیا اور مظلوموں نے اس واقعے سے روشنی حاصل کر کے اپنے دیے جلائے۔ کربلا نے آنے والے زمانے میں لوگوں کو یہ شعور دیا کہ حق بات پہ ڈٹ جانا اور جان قربان کر دینا انسان کو امر کر جاتا ہے۔ جب کسی ملک کا حاکم وقت عوام کے بنیادی حقوق کا استحصال کرتا ہے تو عوام اس استحصالی رویے کے خاتمے کے لیے مزاحمت کرتے ہیں۔ مزاحمت ایک احساس ہے۔ لہٰذا مزاحمت تخلیق آدم سے انسان کی سرشت میں موجود ہے اور ہمیں کائنات کے ہر گوشے میں دکھائی دیتی ہے تاریخ گواہ ہے کہ انسان اپنی بقا کے لیے مسلسل جدوجہد کرتا آ رہا ہے اس کی یہ کوشش لاتعداد پہلوؤں پر محیط ہے۔ دنیا میں مزاحمت کی مثال قابیل کی ہے جس نے پہلا انسانی قتل کیا روبینہ سہگل نے مزاحمت کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

> مزاحمت ہر ایسے عمل سوچ رویے یا طریق کار کو کہا جا سکتا ہے جو کسی نا انصافی، ظلم، تشدد، بربریت یا جبر کے خلاف کیا گیا ہو مزاحمت سے مراد ہے کسی چیز کو روکنا، کسی ظلم کی مخالفت کسی ناانصافی کو برداشت کرنے سے انکار کرنا اور عملی اور متحرک انداز میں کسی ظلم کا سدباب کرنا۔(۱)

ظالم کے ظلم کو نہ روکنے والا بلکہ یوں کہنا چاہیے اس کے ظلم کے دوران غیر جانب دار رہنے والا ظلم میں شریک ہوتا ہے لہٰذا اس کے خلاف مزاحمت کو تمام مرثیہ نگاروں نے فرض عین سمجھا ہے ان کا تقاضا یہی ہے کہ مسلمانوں کو اگر کہیں گزند پہنچے تو ایک تلوے کے کانٹے کی خلش دوسرے کے جگر میں محسوس ہو اور اس کے مداوے کی کوشش کی جائے یہ جذبہ اس وقت مزاحمتی رخ اختیار کر جاتا ہے جب کوئی جابر حکمران سامراجی یا استعماری طاقت یا انصاف کے منافی اقدامات اٹھانے والے طبقات کے خلاف سرگرم عمل ہوتا ہے۔ اردو مرثیے میں مزاحمت کا آغاز کرنے والے مرثیہ گویوں کی ایک پوری جماعت ہے جنھوں نے اپنے مراثی کلام میں داستان کربلا کو نہایت پاکیزہ انداز میں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یزیدی کردار کی مذمت

کی اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

دبیرؔ نے غدر ۱۸۵۷ء کے عنوان سے ایک بند کہا:

کس عہد میں تبدیل نہیں دور ہوا　　گہ عدل گہے ظلم گہے جور ہوا
اللہ وہی تو ہے تو نہ مضطر ہو دبیر　　کیا غم جو زمیں اور فلک اور ہوا

۱۸۵۷ء کے غدر نے زندگی کو تہ بالا کر دیا۔ غدر کے دوران میں اور اس کے بعد عدل حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا اور اہل ہند کے صفحہ زندگی پر ظلم و تشدد اور قتل و غارت کے الفاظ ثبت کر دیے گئے دبیرؔ کا حق و باطل کے بارے میں یہ کہنا کتنا معنی خیز ہے مرثیہ کے اس بند کو مزاحمتی صنف سخن میں پیش کیا ہے۔

احکام یزید اور ہیں اور اپنے امور اور　　باطل کی نمود اور ہے اور حق کا ظہور اور
نمرود کی آگ اور ہے اور آتش طور اور　　زنبور کا غل اور ہے، الحان زبور اور
سمجھو تو سہی تم کہ بشر کیا ہے، ملک کیا
بت کیا ہے، خدا کیا ہے، زمیں کیا ہے، فلک کیا

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں:

کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے مرثیہ ایک چھلنی ہے جو بغیر ارادہ کے خس و خاشاک کو علاحدہ کر دیتی ہے، یہاں روئے سخن صرف حقیقی مرثیہ گو شعراء کی طرف ہے۔(۲)

دبیرؔ کے مرثیوں کی چھلنی سے جو مزاحمتی اشعار برآمد ہوتے ہیں ان میں باطل کے ہاتھ پر حق کسی صورت میں بھی بیعت کرتا دکھائی نہیں دیتا۔

واللہ ہاتھ دوں گا نہ فاسق کے ہاتھ میں
سر جائے گا پہ فرق نہ آئے گا بات میں

مرثیہ گوئی کے دور ذریں میں مزاحمتی اشعار کی تخلیق کا عمل بھی جاری و ساری رہا یہ بات ہمارے لیے باعث حیرت نہیں کہ اٹھارویں صدی میں تقریباً ہر شاعر جسم کے زاویوں، بدن کی قوسوں اور چشم آبرو کا اسیر تھا جب کہ انیس معرکہ کربلا کا سماں باندھتے ہیں تو حق و باطل کی آویزش کے دوران یزیدی ظلم پر مزاحمتی انداز میں اپنے نقطعہ نظر کی وضاحت کرتے ہیں۔ باغ رسولؐ کے پھول جس طرح شمر کے ہاتھوں شہید ہوئے اور جن کے سہرے کی لڑیاں ابھی میلی نہیں ہوئیں میر انیس کے مرثیے کا ایک بند یزیدی ظلم کو پیش کرتا ہے۔

بھائی سے ساتھ بھائی کا چھوٹا ہزار حیف　　چھوڑا نہ پھل، نہ پھول، نہ بوٹا، ہزار حیف
بازو مرا قوی تھا سو ٹوٹا، ہزار حیف　　امت نے میرے باغ کو لوٹا، ہزار حیف

فریاد ہے لعینوں نے ہم پر ستم کیا
تیغوں سے سرو باغ علیؑ کو قلم کیا

امیر امام حر نے انیسؔ کے بارے میں لکھا ہے:

ظلم و استبداد، شاہی و جبروت، اور ضمیر فروشی کے خلاف انیسؔ کے مراثی میں بڑے کڑے تیور نظر آتے ہیں اور ایک پر اعتماد لہجہ محسوس ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بڑی جرات کے ساتھ یہ تک کہنے کے لیے تیار ہیں کہ ''شاہی کچھ اور ہے اسلام کچھ اور ہے'' ظلم کچھ اور ہے اور عدل کچھ اور ہے، باطل کچھ اور ہے اور حق کچھ اور ہے، لیکن اگر کسی نے عصبیت اور ملوکیت کی خاطر ان کو غلط ملط کرنا چاہا اور اس پر اسلام کا نام لیا تو ہم کو ایسے اسلام کی ضرورت نہیں۔(۳)

انھوں نے اپنے مراثی کلام میں داستان کربلا کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ملت اسلامیہ کے حقوق، عقائد، غلامی، افلاس، شخصی آزادی، جہالت، ریاکاری، اقتصادی ناانصافی اور ریاستی جبر کو سامنے رکھ کے مرثیے کہے۔ ہماری تاریخ خون خرابے اور جنگ وجدل سے بھری ہوئی ہے ان مرثیہ نگاروں نے نہ صرف اپنے معاشرے کے ظلم کو بیان کیا بلکہ داستان کربلا کو استعارہ بناتے ہوئے حساس اور باشعور انسان کی طرح عرب، فلسطین، ویتنام، کوریا، بنگلہ دیش، کشمیر، فلپاین، انڈونیشیا، افغانستان، مسجد اقصیٰ، ایران، عراق کے مظلوموں کی حمایت میں آواز بلند کی اور ان پر ڈھائے گئے مظالم کی مذمت کی۔

مونسؔ نے اہل حق کی باطل قوتوں کے خلاف مزاحمت کو اپنے کلام میں بیان کر کے اہل بیعت کی غلامی کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے ان کے مراثی کلام میں مسلمان مخالف استحصالی حکمرانوں کی دہشت اور مظلوم مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے ستم کی تصویریں ملتی ہیں گویا وہ حق کی جنگ لڑنے والوں کا مونس بھی ہے اور مزاحمتی اشعار کے خزانوں کا حامل نواب بھی۔ مونسؔ کے مرثیے مزاحمتی اشعار کی دولت سے مالا مال ہیں اس تصویر کاری میں مزاحمت کے رنگ بڑے گہرے کھائی دیتے ہیں۔

مارا شقی نے تیغ علم کر کے، سر کا ہاتھ — اٹھتے ہی ہاتھ، چل گیا یاں سے کمر کا ہاتھ
خالی کبھی گیا ہے بھلا شیر نر کا ہاتھ — دو ہو گیا ادھر کا تو بازو، ادھر کا ہاتھ
گرتے تھے زیں سے وار اجل کا جو چل گیا
ہچکی بھی لے سکا نہ لعیں، دم نکل گیا

اس ضمن میں ڈاکٹر مبارک علی لکھتے ہیں:

مزاحمتی ادب سے تعلق رکھنے والے ادیب و شاعر اور دانشور اپنی حکومتوں اور حکمران

طبقے کے جرائم کو دیکھ کر خاموش نہیں ہوتے بلکہ وہ ان کے خلاف احتجاج کرتے ہیں
اور انھیں دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کرب اور اذیت کا
احساس دلاتے ہیں کہ جس سے لوگ دوچارہ ہوتے ہیں اور یہی احساس ان جرائم کے
خلاف رائے عامہ کو ہموار کرتا ہے اور ان کے خلاف تحریک چلتی ہے۔(۴)

مطلق العنان شہنشاہوں نے جس طرح انسانوں کے شخصی حقوق کو پامال کیا اس بادشاہت اور شہنشاہیت کی گھٹن کے خلاف انھوں نے مظبوط اختلافی اور مزاحمتی مرثیے کہے چوں کہ انسان فطری طور پر مزاحمتی رویہ لے کر دنیا میں آتا ہے اس لیے سماجی جانور ہونے کے ناطے سماج میں رائج نظام کے خلاف ہو جاتا ہے عرب جس طرح جہالت اور اور نا انصافیوں میں جکڑا ہوا تھا اور عرب کے تمام معاشی و سماجی وسائل پر قبائل کی بادشاہت کا قبضہ تھا درباروں میں عیاشیاں ہوتی تھیں اور عربی آپس میں لڑائی میں خون بہاتے اس صورت حال کے زیر اثر حالی نے عرب قوم کی تنزلی کا مرثیہ یوں بیان کیا ہے۔

وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی　　قبیلوں کی کر دی تھی جس نے صفائی
تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی　　صدی جس میں آدھی انھوں نے گنوائی
نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ
کرشمہ اک اُن کی جہالت کا تھا وہ
چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ　　ہر ایک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ　　فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ

تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ جب بھی انسان پر مظالم ڈھائے گئے ان طاقتور سامراجی حکمرانوں کے منفی اقدام کو روکنے کے لیے مزاحمتی مرثیہ نگار اپنی قوم کو ان ظالموں اور جابروں کے خلاف متحدہ محاذ بنانے کی دعوت دیتے ہیں انھوں نے جبر و استداد کی جتنی صورتیں دیکھی تھیں انھیں پرزور اور موثر انداز میں دکھانے کی کوشش کی ہے:

ڈاکٹر طارق کلیم کے مطابق جبر کی تین صورتیں ہیں:

اول جب کوئی بیرونی قوت حملہ آور ہو جائے دوسری صورت ریاستی جبر ہے اور تیسری
صورت جب معاشرے کا سیاسی و سماجی نظام خطرے کی زد میں آجاتا ہے۔(۵)

یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ بیسویں صدی کی انقلاب انگیزی اردو ادب پر پوری طرح اثر انداز ہوئی ہے مرثیہ نگاری بھی ادبی اصناف کا اہم حصہ ہے جہاں ادب کی جملہ اصناف مزاحمت کا مرکز و محور بنی وہاں مرثیہ میں خلوص وعقیدت کے ساتھ امام حسینؑ کو ایک مثالی ہیرو کی حیثیت سے پیش کرنے کے ساتھ ساتھ مرثیہ گویوں نے اپنے وقت کے یزیدوں کو للکارا یہی وہ زمانہ ہے جب برصغیر پاک و ہند میں تحریک خلافت، بین الاقوامی اتحاد، بیداری مسلمانان عالم اور

آزادی ہند کی جدوجہد کا آغاز ہوا اس دور کے مرثیہ نگاروں نے یہ باور کرا دیا کہ حق کی خاطر سر بلند کرنے والا قلت و کثرت کی ہر تمیز یک سر فراموش کر دیتا ہے ان مرثیہ گویوں نے اپنے اپنے مزاج کے مطابق منزل بہ منزل مزاحمت کے نئے نئے انداز اپنائے اور اپنے دور کے سیاسی و سماجی رویوں کو اپنے وجدان سے مس کر کے اپنے مراثی کلام میں مختلف سطحوں پر اجاگر کیا ہے۔ پروفیسر انیس اشفاق کا بھی یہی خیال ہے کہ:

> اردو ادب اپنی فکر، مزاج و منہاج اور مزاحمتی اسلوب بیان میں مرثیوں سے قوت نمو حاصل کرتا ہے۔(۶)

قیامِ پاکستان سے پہلے برصغیر کے مسلمانوں نے جس ملک کا خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر جغرافیائی تقسیم تک محدود رہی نہ حق دار کو حق ملا اور نہ مسلمانوں کو امن امان نہ سماجی ترقی ہوئی اور نہ ہی حکمران طبقے کے رویے میں تبدیلی اس ملک کے قیام کے ساتھ ساتھ سیاست کا محور اقتدار بنا اور اقتدار کو خدمت کا وسیلہ قرار دینے کے بجائے طاقت کا سرچشمہ بنا دیا گیا بظاہر سب یہی سوچ رہے تھے کہ ملک ترقی کرے گا خوشحالی آئے گی اقدار بدلیں گی اور لوگوں کی زندگی میں مثبت تبدیلیاں آئیں گی لیکن مسند اقتدار نے ملکی سیاست اور نظام معیشت کو بھول بھلیوں میں ڈال دیا آزادی کے بعد پاکستانی معاشرہ جس قسم کی بدنظمی بے سمتی اور آمرانہ سیاست سے دوچار رہا اسے باشعور وحساس شہری کی طرح اردو مرثیہ نگاروں نے محسوس کیا اور جو کچھ محسوس کیا اسے اپنے انداز میں بیان کیا۔ پاکستان کی جمہوری اور فوجی حکومت کی پالیسوں، سماجی، سیاسی، لسانی مسائل اور مذہبی بنیادوں پر جو مزاحمتی رجحان پروان چڑھا اس رویے کو پاکستانی مرثیہ نگاروں نے اپنے مرثیوں میں پیش کیا ہے بقول نسیم امروہی:

فریب دے کے ریاکار کام لیتے ہیں — حلال کرتے ہیں مالِ حرام لیتے ہیں
کبھی جو خدمتِ قومی کا نام لیتے ہیں — شکارِ حرص و ہوس ہیں کہ دام لیتے ہیں
جناں کی چاہ نہ حاجت سقر سے ڈرنے کی
انھیں تو فکر ہے دوزخ کو اپنے بھرنے کی

بلوچستان رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا اور آبادی کے لحاظ سے سب سے چھوٹا صوبہ ہے معدنی وسائل سے مالا مال علاقہ ستر کی دہائی سے عالمی سازشوں، غیر ملکی ومقتدر طبقے، حکمرانوں کی ناعاقبت اندیشیوں، ذاتی مادیت پرستی، سیاسی اور معاشی فائدوں سے وہاں کے حالات کو دگرگوں کیا گیا تو وہاں لسانی، مذہبی ثقافتی نفرتوں کو پروان چڑھایا گیا اور مقامی سرداروں کو آپس میں لڑایا گیا ہمارے نام نہاد سیاست دانوں اور بیوروکریسی نے بلوچوں کو ان کے جائز مطالبات کو غداری قرار دیا ملک دشمن تنظیموں نے بلوچستان میں مداخلت کر کے ان کی محرومیوں سے فائدہ اٹھا کر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا اور ملک میں جنگ کی سی کیفیت بن گئی اس ظلم کی فضا کو روکنے کے لیے بلوچ قوم نے صوبائی خودمختاری کا نعرہ لگایا جس کے سبب ہماری فوج اور بلوچی سرداروں کی لڑائی جاری رہتی ہے اس منظر نامے کو نسیم امروہی نے مزاحمتی انداز میں

روکنے کی استدعا کی ہے۔

کہے یہ کون عدو گھات میں ہیں نادانو! یہ جنگ چھوڑ دو آپس کی، اب کہا مانو
لڑا رہے ہیں جو موذی تم ان کو پہچانو ان آستین کے سانپوں کو دوست کیوں جانو
ارے جنھوں نے تمھیں بے چھری حلال کیا
انہیں کے دام میں تم آ گئے کمال کیا

وحید الحسن ہاشمی نے مارکسی نظریہ سرمایہ داری نظام کے نتیجے میں بننے والے طبقاتی سماج میں پسنے والے انسانوں کے مطالبات کی عکاسی اپنے مراثی کلام میں کی ہے اس معاشی نظام کی تقویت اور پھیلاؤ کی خاطر دو عالمی جنگیں لڑی گئیں جن میں لاکھوں انسان مارے گئے اور ہزاروں زخمی و معذور ہوئے انسانوں کے کام آنے والے بے اندازہ وسائل ضائع ہوئی ۱۹۷۹ء میں سرمایہ دار ملکوں نے امریکا کی سر براہی میں جس تیسری عالمی جنگ کی منصوبہ بندی کی اس میں اب تک ہونے والا جانی و مالی نقصان پہلی دونوں عظیم جنگوں سے بڑھ گیا فرق صرف یہ ہے کہ پہلی جنگیں سرمایہ دار ممالک کے درمیان لڑی گئیں اور چالیس سال سے جاری تیسری غیر اعلانیہ عالمی جنگ کا میدان ایشیاء کے پس ماندہ ممالک بنے دونوں عالمی جنگیں چند سال کے اندر ختم ہوگئیں کیوں کہ اس کا نشانہ براہ راست یورپ و امریکا کا وحشت و بربریت سے لبریز نام نہاد مہذب انسان تھا دوسری عالمی جنگ میں ایٹمی تباہی کا نشانہ بننے والا ایک ایشائی ملک تھا اور اب تو جنگ ایشاء کے بھی زیادہ پس ماندہ ملکوں میں لڑی جا رہی ہے اسے روکنے کے لیے کوئی آواز بلند نہیں ہوتی ساری دنیا جانتی ہے کہ اس جنگ کے اصل معاشی و سیاسی مقاصد کیا ہیں لیکن یورپ و امریکا کے آزاد باشندے بھی اسے روکنے سے قاصر ہیں اس جنگ کو رکنا بھی نہیں چاہیے کیوں کہ جن ممالک میں یہ جنگ لڑی جا رہی ہے وہاں کے باشندے شیعہ سنی منافرت، اردو سندھی، پنجابی بلوچی، پشتو منافرت، پختون ہزارہ منافرت، مہاجر مقامی منافرت اور خدا جانے کس کس طرح کی منافرتوں میں گھرے ہوئے ہیں اسی لیے یہ کبھی ڈرون حملوں، کبھی خودکش حملوں سے مرتے ہیں اور مرتے ہی چلے جاتے ہیں اور سمجھتے نہیں۔ یہ قاتل، چور، بدمعاش، سمگلر، منشیات فروش اپنے حکمرانوں کے طور پر منتخب کرتے ہیں بنیادی انسانی وسائل اور ضرورتوں سے محروم ہیں اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھے ہیں۔ جان مال عزت سب کچھ گنوا دینے کے باوجود جانے کیا بچانے کی فکر میں بے غیرتی اوڑھ کر سوئے ہوئے، انھیں مرنا ہی چاہیے یہ ہزاروں سال سے غلام ہیں اور اس وقت تک غلام رہیں گے جب تک اپنی حالت اور طاقت کا شعور حاصل نہیں کر لیتے وحید الحسن ہاشمی کے مرثیے انسانوں کے ایسے گروہوں کو شعور دیتے ہیں اور آمریت، ظلم اور بربریت کی جھلک ان میں نمایاں ہے جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہر کسی کے بس کا کام نہیں لیکن وحید الحسن ہاشمی نے آمر حکمرانوں کے منہ پر ان اشعار کی صورت میں یوں طمانچہ رسید کیا ہے۔

کوئی آمر عہدِ حق توڑے، یہ حق کس نے دیا چشمِ بد سے سوئے دیں دیکھے یہ حق کس نے دیا

صلح جُو افکار سے الجھے یہ حق کس نے دیا　　قوم کی تقدیر سے کھیلے یہ حق کس نے دیا
کچھ بھی ہو جذباتِ ملت کو کچل سکتا نہیں
قوم کے آئین کو آمر بدل سکتا نہیں

جوش ملیح آبادی نے مزاحمتی مرثیہ لکھ کر امام حسینؑ کے کارناموں کی نئی تعبیروں کا پتہ دیا جوش نے اس دور میں ملت اسلامیہ پر چھائی ہوئی بے حسی، بے چارگی اور افسردگی کی مزاحمت کی ہے جوش کی اپنے دور کے عالمی معاملات وتغیرات پر گہری نظر ہے خاص طور پر عالم اسلام کی سیاسی مشکلات اور استعمار کے منافقانہ سیاسی رویوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے منفرد لہجے میں اپنے عہد کے جبر کے خلاف قلم اٹھایا اور حاکم حاضر کی تاناشاہی کو للکارا حسینؑ اور انقلاب، آوازحق ان دونوں مرثیوں میں یزیزیت، شمریت، شہنشاہیت، ڈکٹیٹرشپ اور انگریزی سامراج کے خلاف بلند آواز گونجتی ہے بقول شاداب رضوی

جوش نے خاص طور سے ان دو مرثیوں میں مزکورہ تاریخ و سیاسی پس منظر کی عمدہ
ترجمانی کی ہے ان میں عصری حسیت کی بھرپور گونج سنائی دیتی ہے۔(۷)

جوش بامقصد مرثیہ کے دلدادہ ہیں وہ ابہام پر مشتمل مرثیہ کو احترام کی نگاہ سے نہیں دیکھتے انہوں نے مرثیہ کو تخیل کی بھٹی میں پکا کر اسے متاثر کن انداز میں پیش کیا ہے ڈاکٹر ہلال نقوی کا کہنا ہے:

جوش اردو زبان کے پہلے مرثیہ گو شاعر ہیں جنھیں امام حسینؑ کے دینی رول نے نہیں
تاریخی رول نے متاثر کیا ہے جس سے ان کے ہاں آفاقی اقدار جلوہ گر ہوگئی ہیں اور
ان کے مرثیوں میں بڑی شاعری کی آواز سنائی دیتی ہے۔(۸)

جوش کے مرثیے انسان اور انسانیت کا کلام ہیں جوش کے مرثیوں کی خوبی ہے کہ وہ معمولی بات کر جاتے ہیں لیکن ان کی معمولی بات میں بھی کئی پیغام چھپے ہوتے ہیں مرثیہ سوگواران حسین کا یہ بند عام انسان کی زندگی سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے بقولؔ جوش:

دور محکومی میں راحت کفر، عشرت ہے حرام　　مہ وشوں کی چاہ، ساقی کی محبت ہے حرام
علم نا جائز ہے دستارِ فضیلت ہے حرام　　انتہا یہ ہے غلاموں کی عبادت ہے حرام
کوئے ذلت میں ٹھہرنا کیا گزرنا بھی حرام
صرف جینا ہی نہیں اس طرح مرنا بھی حرام

جوشؔ کا جب مزاحمتی جذبہ بڑھا تب انھوں نے مرثیے کے ذریعے استعماریت کا کھل کر مقابلہ کیا جوش نے صرف مسلمان ہونے کے ناطے استحصالی طبقوں کی مخالفت نہیں کی بلکہ بقا انسانیت کی خاطر معاشرے میں رائج انسان دشمن پالیسی کی مخالفت کی ہے اپنے نظریے کی تشہیر کے لیےؔ جوش نے امام حسینؑ کی ذات گرامی سے کسب فیض لیا ڈاکٹر ہلال نقوی کا کہنا ہے:

> وہ اردو کے پہلے مرثیہ گو شاعر ہیں جنہوں نے امام حسینؑ کے ذکر کو امام باڑے کی چار دیواری میں 'مقید'' کرنے کے خلاف آواز بلند کی اور شہادت عظمیٰ کا ایک مخصوص دینی تصور اجاگر کرنے کی جگہ عالمی اور انسانی تصور پیش کیا ہے ان کے مرثیوں میں فکر نو کی تازگی ہے۔(۹)

سچ تو یہ ہے کہ دنیا میں وہی قومیں ترقی کرتی ہیں جو علم وحکمت کی شمع کو اپنی میراث سمجھتی ہیں تاریخ کے بدلتے ہوئے سماجوں پر ایک نگاہ ڈالی جائے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کی انسانیت کے زوال کی بڑی وجہ مذہبی مبلغین ہیں مذہب ہی وہ طاقت ہے جس کے لیے ہتھیاروں اور فوجوں کی ضرورت نہیں پڑتی عوامی اکثریت ہی مذہب کی پشت پناہی کے لیے کافی ہوتی ہے اور مبلغ عوام کو اس دنیا کے دکھ درد برداشت کرنے کی تلقین کرتا اور اس کے بدلے میں آخرت کی مسرت کا یقین دلاتا ہے غربت میں صبر کرنے اور تھوڑے پر اکتفا کرنے کو اللہ کی خوشنودی قرار دیتا ہے یوں طاقت ور طبقہ کمزور طبقے کو مزید روندنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور کمزور کا استحصال کرتا رہتا ہے اور انسانیت کا زوال مختلف شکلیں بدل کر کرتا رہتا ہے پاکستانی اردو مرثیہ کے حوالے سے جوش ملیح آبادی نے اس سماج کی فرسودہ رسموں، طبقاتی تقسیم، معاشرتی ناہمواریوں، تعلیمی محرومیوں، مذہبی منافرتوں، معاشی پریشانیوں اور سیاسی عیاشیوں کے خلاف مرثیے کہے جوش اس سماج سے بیزار ہیں جہاں دھوکے ہی دھوکے ہیں جہاں انصاف کی کوئی ریت نہیں مرثیہ وحدت انسانی میں جوش سماج کی بدلتی اقدار پر یوں افسوس کرتے نظر آتے ہیں اور جبر واستداد، بے یقینی کے خلاف اپنی گواہی اس انداز سے درج کرتے ہیں۔

اب بھائی ہے کہ بھائی کو پہچانتا نہیں   ہم بھائی بھائی ہیں یہ کوئی جانتا نہیں
اک دوسرے کو دوست بھی گردانتا نہیں   سب ایک کوکھ سے ہیں کوئی مانتا نہیں
ارباب آشتی ہمہ تن جنگ ہو گئے
ہم جس قدر وسیع ہوئے تنگ ہو گئے

جوش کی نظر عالمی سیاست پر بھی تھی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد اشیاء میں مسلم حکومت کا حال دیکھ رہے تھے انھوں نے مرثیوں میں یہ تبدیلی کی کہ اپنی تاریخی بصیرت اور گہرے مشاہدے کے ذریعہ پوری صورت حال کو مزاحمتی انداز میں پیش کیا ہے۔

پھر جنگ و جبر و جور پہ انسان کو ناز ہے   پھر آدمی پلنگ ہے،کرگس ہے، باز ہے
دل ہیں علیل،ذوقِ ہوس چارہ ساز ہے   پھر بھی جب اقتدار کی رسی دراز ہے
ذاتی مفاد پر ہیں سبک سر اڑے ہوئے
چاندی کے پھر بھنور ہیں،رگوں میں پڑے ہوئے

آج کا سیاست دان اس لیے منتخب نہیں ہوتا کہ وہ اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لا کر عوامی مسائل حل کرے گا بلکہ اس کا مقصد اقتدار کا حصول اور اقتدار ملنے کے بعد اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھانا ہے قومی دولت کو اپنی جاگیر سمجھ کر لوٹ لینا، اپنے اختیارات کو غربت کی ماری عوام کا معیار زندگی اور پست کرنا ان کے اقتدار میں آنے کے مقاصد ہیں۔ قیصرؔ بارہوی کے کلام میں شہادت عظمیٰ اپنی پوری تابانی کے ساتھ جلوہ گر دکھائی دیتی ہے قیصر بارہوی نے اپنے کلام میں معاشرے میں پیدا ہونے والی بے چینی، اخلاق و مروت کا خاتمہ، دولت کی حوس، فرقہ واریت، جبریہ حالات کی لوٹ مار کا منظر مزاحمتی انداز میں پیش کرتے ہوئے افسوس کا اظہار کیا ان مرثیوں میں آمریت، طبقاتی استحصال، غم روزگار اور جبر کے موسم نظر آتے ہیں۔ پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان شہید کیے گئے اور سیاست ایک خاندان کی جھولی میں گھومنے لگی تو آگے جا کر مارشل لاء کا نہ تھمنے والی کالی گھٹاؤں کا سلسلہ چلا تو پاکستان سے وابستہ امیدیں خاک میں مل گئیں، اس سے پہلے تقسیم کے نتیجے میں دوران ہجرت لاکھوں لوگ لقمہ اجل ہوئے عصمتیں لوٹی گئیں ایک خزاں اور اجنبیت کا موسم پورے ملک پر چھایا رہا قیصرؔ بارہوی اپنے سماج کی بھوک و افلاس کی فروانی پہ کڑھتے ہیں ان کے مزاحمتی مرثیے پڑھتے ہوئے آپ کو اپنے خون میں شہادت کا شعلہ لپکتا ہوا محسوس ہوگا ان کے مرثیے برصغیر پاک و ہند کی ہر مجلس میں پڑھے جاتے ہیں قیصرؔ بارہوی نے عصری مسائل اور معاشرتی آشوب کی منظر کشی اس طرح کی ہے۔

اللہ رے مروت و اخلاق کا زوال ایسا زوال جس کی میسر نہیں مثال
شرمائے لوگ کیفیتِ دلخراش پر
یاں رقص ہو رہا تھا شرافت کی لاش پر

پاکستانی سماج میں انسانی حرمت کی جڑیں ہند کے ذات پات کے فلسفیانہ نظام سے متصل نظر آتی ہیں ذات پات کا نظام ہندوستان میں صدیوں سے رائج نظام تھا جو برہمنوں نے قائم کیا اسی لیے خود کو اعلیٰ ترین طبقہ قرار دیا دوسرا طبقہ کھشتریوں کا تھا ویش کھیتی باڑی کیا کرتے تھے جبکہ شودر کو چھوت قرار دیا تقسیم کے بعد ذات پات کا نظام کسی نہ کسی شکل میں پاکستانی سماج کا حصہ بنا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اکثر لوگوں نے سماجی عزت حاصل کرنے کی خاطر اپنے نام کے ساتھ چوہدری، سید، شیخ لگانا شروع کر دیا اور انسان کی حرمت کا معیار دولت سے متصل ہونے لگا یہی وجہ ہے کہ آج غربت سب ذاتوں سے نجس ذات بن چکی ہے غریب شخص بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہوتا ہی ہے سماجی عزت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے قیصرؔ بارہوی انسانوں کی اس حرمت کی قید پر تڑپ اٹھتے ہیں۔

حلقہ شعر و ادب ،انجمنِ اہل خطاب سیفِ تخئیل سے اب چاہیے بھرپور جواب
پھیلتا جاتا ہے الحادِ سخن کا سیلاب آج ہر فکر میں درکار ہے وحدت کا نصاب
وقت کا آئینہ دنیا کو دکھانا ہو گا

قید سے حرمت انساں کو چھڑانا ہو گا

پروفیسر شبیہ الحسن نے قیصر بارہوی کی خدمات کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

> اس پر تشدد، ہیبت ناک اور خوں آشام منظر دیکھ کر قیصرؔ بارہوی کا تخیل کربلا کی طرف پرواز کرتا ہے اور وہ کربلا کے میدان میں اپنے لہو سے حق وصداقت کی شمع جلانے والوں کو فخر سے دیکھنے لگتے ہیں۔ اس طرز عمل سے ان کا مقصود یہ ہے کہ اگر اس کرب ناک معاشرتی صورت حال سے انسان کو کوئی چیز نجات دلا سکتی ہے تو وہ صرف اور صرف کربلا ہے۔ اگر آج کا انسان اپنا کھویا ہوا شرف اور وقار حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ اسوہ شبیری پر عمل پیرا ہو کر آج بھی عظمت کردار کا مینارہ نور بن سکتا ہے۔(۱۰)

جمیلؔ مظہری نے اس سیاسی ناہمواری اور سیاست کے منفی رویے، استحصال، جبر اور اقتدار کی ہوس کو وضاحت کے ساتھ اپنے مراثی کلام میں بیان کیا ہے ان کا شعور ملکی حالات سے وابستہ ہے اور شاہی کے خلاف آواز بھی ابھرتی ہے حالات حاضرہ میں کربلا کی معنویت اور جواز، جنگ کے منفی اثرات دنیا میں امن وچین کی ضرورت اور افادیت پر نکتہ چینی، صحیح راستے پر چل کر گرفتاری جیسے موضوعات کو انھوں نے مرثیوں میں جگہ دی ہے مظہری نے اس ناانصافی کی مزاحمت کی ہے اور اپنے قلم کی نوک سے وہ مرثیے لکھے جو عام انسانوں کی باطن کی آواز ہیں جمیلؔ مظہری نے مراثی کلام میں مسلم اُمہ کو یہ پیغام دیا کہ ہر شخص کربلائی فکر رکھے اور وقت کے فرعونوں کے ساتھ مقابلہ کرے اور انھیں شکست دے اور یزیدی افکار کا راستہ روکے خیر و شر اور حق و باطل کے درمیان تصادم کی تصویر کشی اس طرح کی ہے۔

ہے حکمران عقل پہ دولت ابھی تلک ایماں کی ہو رہی ہے تجارت ابھی تلک
جاگیر اہرمن کی ہے جنت ابھی تلک ابلیس ہے معلمِ فطرت ابھی تلک
پامالیِ حقوق کا تہذیب نام ہے
انسانیت کی روح کا اک قتل عام ہے

ڈاکٹر رشید احمد گوریہہ نے نہایت مدلل انداز میں لکھا ہے:

> ظالم حکمران تاریخ کے صفحات میں زندہ رہ جاتے ہیں لوگ ان کا ذکر حقارت سے کرتے ہیں لیکن جن حساس شاعروں، ادیبوں اور فن کاروں پر ان لوگوں نے ظلم کیا ہوتا ہے وہ سدا زندہ رہتے ہیں یونان کے اس بادشاہ کا کوئی نام نہیں جانتا لیکن سقراط کو سب لوگ جانتے ہیں جسے ظالم حکمران کے نام پر زہر کا پیالہ پینا پڑا تھا۔(۱۱)

مرثیت میں اس دور کا اہم رجحان حقوق نسواں کی آزادی کا تھا ہندوستانی سماج عورت کو غلامی کی علامت سمجھتا تھا وہ

گھر کے اندر رہ کر کڑھ سکتی تھی، ضبط اور قربانی اسے ورثہ میں ملی تھی مگر بیسویں صدی کی ابتدا میں یہ تصور پوری دنیا میں عام ہونے لگا کہ عورت کو مردوں کے مساوی حقوق دیے جائیں۔ رثائی ادب میں حقوق نسواں کے حوالے سے پیامؔ اعظمی کا نام نمایاں ہے پیامؔ اعظمی نے مرثیوں میں مختلف ادوار میں عورتوں کے ساتھ ہونے والے ظلم وستم کو پیش کیا اور عورت کی آزادی، اہمیت اور حقوق پر زور دیا ہے ''عورت'' ان کے نمائندہ مزاحمتی مرثیوں میں سے ایک ہے جسے عورتوں کے بین الاقوامی سال کے موضوع سے انھوں نے ضبط تحریر میں لایا:

کتنی مظلوم زمانے میں ہے یہ کشتۂ غم　　رہی ہر دور میں یہ جانبِ محروم کرم
کبھی زندہ اسے دفناتے تھے ارباب ستم　　کبھی محفل میں جلائی گئی یہ شمع حرم
اگلے لوگوں نے اسے مایۂ بے جاں سمجھا
نئی تہذیب نے تفریح کا ساماں سمجھا
نعرہ آزادیِ نسواں کا لگانے والو　　جانِ تخلیق کو تفریح بتانے والو
رقص گاہوں میں شرافت کو لٹانے والو　　ہوش میں آؤ ہمیں ہوش میں لانے والو
یہ نمائش نہیں جنس سر بازار نہیں
آبرو قوم کی ہے فلم کا کردار نہیں

آج دنیا کے کونے کونے میں استعماری قوتیں کارفرما نظر آتی ہیں جو استعماریت کا پھیلاؤ چاہتی ہیں جن کا مقصد مسلمان قوم کا استحصال کرنا ہے اپنے مکروہ عزائم کی بالادستی کے لیے استعمار کی چالیں بدلتی رہتی ہیں دنیا میں بیت المقدس کو ایک خاص مقام حاصل ہے آسمانی کتابوں کے پیروکار اور خاص طور پر مسلمان اسے قبلہ اول گردانتے ہوئے نہایت احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بیت المقدس مسلمان شعراء کا اہم ترین موضوع رہا ہے محسن نقوی کے رثائی کلام فرات فکر کا معتدبہ حصہ اس کی حرمت کے بارے میں ملتا ہے۔ محسنؔ نقوی عدل وانصاف کا ترازو نصب کرنے کے لیے مرثیہ فرات فکر میں اقبال کی طرح محسوس ہوتے ہیں جو وقت کے ظالموں کو چیلنج کرتے تھے ظلم کے خاتمے کے لیے محسن نقوی نے درج ذیل اشعار میں آخری حجت امام عصر مہدی علیہ سلام سے کچھ اسطرح استدعا کی۔

نسلِ ستم ہے در پئے آزار اب تو آ　　پھر سج رہے ہیں ظلم کے دربار ،اب تو آ
پھر آگ پھر وہی در و دیوار، اب توآ　　کعبے پہ پھر ہے ظلم کی یلغار اب تو آ
دن ڈھل رہا ہے وقت کو تازہ اُڑان دے
آ اے امام عصر حرم میں اذان دے

سرمایہ داریت نے پوری دنیا کو گھیرے میں لیا ہوا ہے اس سے بڑھ کر عالمی منڈی کی تلاش کی خاطر سرمایہ دارانہ

نظام کے حامل ملکوں نے نو آبادیات قائم کیے اور پھر مقامی چند لوگوں کو استعمال کر کے نو آبادیاتی ملکوں کا استحصال کیا جاتا رہا قابض نو آبادیات کے ملازم پیشہ نو آبادکار بھی استعمار کے ایجنٹ بن کر چند سکوں کے عوض اپنا ضمیر بیچ کر استعمار کی کاسہ لیسی کرتے ہیں صباؔ اکبر آبادی ان حالات سے بخوبی آگاہ تھے وہ سماجی شعور کے مالک انسان تھے مرثیہ وقت میں صبا اکبر آبادی نے معاشی جبر کو موضوع سخن بنایا انھوں نے براہ راست مزاحمتی رویہ اپناتے ہوئے علامات و استعارات میں مزاحمتی شاعری کی ہے صبا آبادی ظالم حکمرانوں سے نفرت اور حسینیؑ افکار سے محبت کے مسلک پر قائم رہے ملک کے باسیوں پر جبر کی فضا کا مشاہدہ کرتے ہوئے بے اختیار کہہ دیا۔

کچھ ایسے وقت ہیں کہ بھلائے نہ جائیں گے　　کچھ ایسے نقش ہیں کہ مٹائے نہ جائیں گے
کچھ ایسے قصر ہیں کہ گرائے نہ جائیں گے　　کچھ وہ چراغ ہیں جو بجھائے نہ جائیں گے
وہ پیش ہیں جو حال پہ راضی نہ ہو سکے
خود حافظے میں وقت کے ماضی نہ ہو سکے

ڈاکٹر ہلالؔ نقوی جدید مرثیہ نگار کی حیثیت سے ادبی دنیا میں جانے جاتے ہیں ان کے مرثیوں میں مزاحمت کے ارتقاء کی بات کی جائے تو اس اعتبار سے ان کا پہلا رثائی کلام کا مجموعہ ''مقتل و مشعل'' میں دو تعبیریں اور افکار نظر آتی ہیں جن میں سے مقتل ماضی اور حال کا تقابل ہے اس میں ہونے والے معاشرتی ظلم اور سماجی نا انصافی کا تذکرہ کیا گیا ہے جبکہ مشعل اس ظلم کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ایک امید اور لگن کا نام ہے۔''پس تاریخ مرثیہ انتسابی رنگ میں اپنے اندر ایک خاص پیغام پنہاں کیے ہوئے ہے اس مرثیہ کے چورانوے بند تاریخ کے کئی مخصوص واقعات کی ستم ظریفی کا آئینہ دکھاتے ہیں اسی طرح اذان مقتل میں پانچ مرثیے ہاتھ، چراغ، آواز، حُر اور طاقت شامل ہیں مرثیے میں شر کی علامات مخصوص مزاحمتی انداز میں بیان کی گئی ہیں ہلالؔ نقوی نے مزدور طبقہ کے حقوق کی پزیرائی کے لیے نظری سطح پر بھی ترجمانی کی اور ان کے کرب کو موضوع بحث بنایا درج ذیل اشعار میں مرثیہ نگار نے یزیدی راہ پر چلنے والوں کے ظلم و بربریت کو ہدف مزاحمت بنایا ہے مصرعہ ''وہ دیکھ خاک وخوں میں کب سے اٹے ہیں ہاتھ'' میں انصاف اور انسانیت کا قتل ہوتا ہوا نظر آتا ہے یہ حقیقت ہے کہ جن معاشروں میں ظلم بڑھ جاتا ہے وہاں انسانیت کی اقدار بھی موت کا شکار ہوتی ہیں اردو مرثیہ نگاروں کے نزدیک یہ نظریہ ہر دور میں موجود رہا ہے کہ ظلم کے سامنے ڈٹ جانا چاہیے اور اسی نظریے کو ڈاکٹر ہلال نقوی نے اپنے رثائی کلام میں پیش کیا ہے اس تناظر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہلال نقوی نے اس بند میں تاریخی سانحہ کرب و بلا کی جنگ میں حضرت عباسؑ کے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے مزدور کے ستم کو بھی آشکار کیا ہے۔تاج محل کی خاموش فضائی کیفیات سے عیاں ہوا کہ اس کے بنانے والوں سے کیسا ظالمانہ سلوک کیا گیا یوں ہلالؔ نقوی ایک آمر بادشاہ کی استعماریت کے خلاف مزاحمتی انداز میں کہتے ہیں۔

وہ دیکھ خاک وخوں میں کب سے اٹے ہیں ہاتھ　　کس کس طرح نہال بدن سے چھٹے ہیں ہاتھ

ہاں اے سکوت تاج محل تو ہی کچھ بتا کیوں کر محاذ جرم ہنر پر کٹے ہیں ہاتھ
اب تک ٹپک رہا ہے لہو آستین سے
مزدور ہاتھ مانگ رہا ہے زمین سے

ہلال نقوی کا یہ مرثیہ ندرت بیان اور ان کی مزاحمتی سوچ کا نمونہ ہے اگر موجودہ حالات کی بات کی جائے تو اذان مقتل ایک ایسا رثائی کلام ہے جو عصر حاضر کی خرابیوں کو تنقید کا نشانہ بناتا ہے اس ضمن میں جوش کا کہنا ہے:

''میں اس صنف سخن یعنی مرثیے کے میدان میں ان کی روایت شکنی کی داد دیتا ہوں انھوں نے لوگوں کو رُلایا نہیں بلکہ جگایا ہے حسینؑ ان کے یہاں ایک مخصوص فرقے یا گروہ کے رہبر نہیں بلکہ پوری کائنات کے رہنما ہیں۔ میاں ہلال نقوی نے عصر حاضر کے مطالبات کو اپنی انوکھی فکر اور ندرت بیان سے ربط دے کر ایک نئے رخ سے پیش کیا وہ ابتدائے شاعری ہی میں اس ارتقائی منزل پر پہنچ گئے ہیں کہ تاریخ ادب ان کو نظر انداز نہیں کر سکے گی۔(۱۲)

دنیا میں آج بھی معرکہ کربلا جاری ہے خیر و شر کی قوتوں کی درمیان جنگ جاری ہے بلا تامل یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو ادب کی صنف مرثیہ میں مزاحمت کا رنگ تمام مرثیہ نگاروں کے مرثیوں میں پوری تاب و توانائی کے ساتھ نظر آتا ہے اور اس کا ارتقائی سفر بھی جاری ہے پدرسری نظام سے جاگیریت تک، جاگیریت سے بادشاہت تک، بادشاہت سے سرمایہ داریت تک اور آج کے استعماری نو آبادیت کے پھیلاؤ تک ہر دور میں مزاحمت جاری ہے ان کے مرثیے نہ صرف اپنے سماج کی بے حسی کا نوحہ سناتے ہیں بلکہ پوری دنیا کے مظلوموں کا دکھ درد ان میں نظر آتا ہے۔

حواشی

۱۔ روبینہ سہگل، عورت اور مزاحمت، (لاہور: مشعل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء)، ص: ۱۹
۲۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، لکھنؤ کا دبستان شاعری، (دہلی: مکتبہ علم و فن مٹیا محل، ۱۹۶۵ء)، ص: ۷۹۲
۳۔ امیر امام حر، میر انیس اور دنیا کے رزم نگار، ص ۱۷۵ بحوالہ ماہ نو، انیس نمبر، کراچی، فروری، مارچ، ۱۹۷۲ء
۴۔ ڈاکٹر مبارک علی، مزاحمتی ادب، مشمولہ سہ ماہی ماہ نو، جلد ۴۱، (کشور ناہید) لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۵
۵۔ ڈاکٹر طارق کلیم، اردو کی ظریفانہ شاعری میں مزاحمتی عناصر، (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۱۸ء)، ص ۵۱
۶۔ پروفیسر انیس اشفاق، www.urdu link.com، اکتوبر، ۲۰۱۸ء
۷۔ شاداب رضی، جوش کے مرثیے: چند مباحث مشمولہ مجموعہ تنقیدیات (علی گڑھ: مسلم یونی ورسٹی، ۱۹۸۹ء)، ص ۲۴۸۔۲۴۷

۸۔ ڈاکٹر ہلال نقوی، بیسویں صدی اور جدید مرثیہ، (کراچی: محمدی ٹرسٹ لندن، ۱۹۹۴ء)، ص ۴۸۳
۹۔ ایضاً، ص ۴۸۴
۱۰۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن، قیصرؔ بارہوی کی مرثیہ نگاری، (لاہور: رضا سنز پرنٹرز، ۱۹۹۸ء)، ص ۱۹۴
۱۱۔ بحوالہ نیرنگ خیال، ص ۲۱، جلد ۷۰، شمارہ: ۹۶۷، مارچ ۱۹۹۴ء
۱۲۔ ڈاکٹر ہلال نقوی، اذانِ مقتل، (کراچی: محمدی ٹرسٹ لندن، ۱۹۹۴ء)، ص ۷

مآخذ:

(۱) رضی، شاداب، جوش کے مرثیے: چند مباحث (مضمون)، مشمولہ مجموعہ تنقیدیات، علی گڑھ: مسلم یونی ورسٹی، ۱۹۸۹ء
(۲) سہگل، روبینہ، عورت اور مزاحمت، لاہور: مشعل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء
(۳) شبیہ الحسن، ڈاکٹر، قیصرؔ بارہوی کی مرثیہ نگاری، لاہور: رضا سنز پرنٹرز، ۱۹۹۸ء
(۴) صدیقی، ابواللیث، ڈاکٹر، لکھنؤ کا دبستان شاعری، دہلی: مکتبہ علم و فن ٹیا محل، ۱۹۶۵ء
(۵) کلیم، طارق، ڈاکٹر، اردو کی ظریفانہ شاعری میں مزاحمتی عناصر، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۱۸ء
(۶) نقوی، ہلال، ڈاکٹر، بیسویں صدی اور جدید مرثیہ، کراچی: محمدی ٹرسٹ لندن، ۱۹۹۴ء
(۷) ____، اذانِ مقتل، کراچی: محمدی ٹرسٹ لندن، ۱۹۹۴ء

رسائل و جرائد

(۱) ماہ نو، انیس نمبر، کراچی، فروری، مارچ، ۱۹۷۲ء
(۲) ماہ نو، جلد ۴۱، (کشور ناہید) لاہور، ۱۹۸۹ء
(۳) نیرنگ خیال، ص ۲۱، جلد ۷۰، شمارہ: ۹۶۷، مارچ ۱۹۹۴ء

ویب گاہ

www.urdulink.com